

قرآن مجید پر اعتراضات کے جوابات

<"xml encoding="UTF-8?">

1. کیا قرآن مجید میں تحریف ہوئی ہے؟

شیعہ و سنی علما کے یہاں مشہور و معروف یہی ہے کہ قرآن مجید میں کوئی تحریف نہیں ہوئی ہے، اور موجودہ قرآن کریم وہی قرآن ہے جو پیغمبر اکرم (ص) پر نازل ہوا، اور اس میں ایک لفظ بھی کم و زیادہ نہیں ہوا ہے۔

قدما اور متاخرین میں جن شیعہ علمائے اس حقیقت کی وضاحت کی ہے ان کے اسما درج ذیل ہیں:

۱۔ مرحوم شیخ طوسی (رہ) جو "شیخ الطائفہ" کے نام سے مشہور ہیں، موصوف نے اپنی مشہور و معروف کتاب "تبیان" میں وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

۲۔ سید مرتضیٰ (رہ)، جو چوتھی صدی کے عظیم الشان عالم ہیں۔

۳۔ رئیس المحدثین مرحوم شیخ صدوق محمد بن علی بن بابویہ (رہ)، موصوف شیعہ عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں کسی طرح کی کوئی تحریف نہیں ہوئی ہے۔"

۴۔ جلیل القدر مفسر قرآن مرحوم علامہ طبرسی، جنہوں نے اپنی تفسیر (مجمع البیان) کے مقدمہ میں اس سلسلہ میں ایک واضح اور مفصل بحث کی ہے۔

۵۔ مرحوم کاشف الغطاء جو علمائے متاخرین میں عظیم مرتبہ رکھتے ہیں۔

۶۔ مرحوم محقق یزدی (رہ) نے اپنی کتاب عروۃ الوثقیٰ میں قرآن میں تحریف نہ ہونے کے اقوال کو اکثر شیعہ مجتہدین سے نقل کیا ہے۔

۷۔ نیز بہت سے جید علما جیسے "شیخ مفید (رہ)"، "شیخ بہائی"، قاضی نور اللہ اور دوسرے شیعہ محققین نے اسی بات کو نقل کیا ہے کہ قرآن مجید میں کوئی تحریف نہیں ہوئی ہے۔

اہل سنت کے علما اور محققین کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ قرآن کریم میں تحریف نہیں ہوئی ہے۔

اگرچہ بعض شیعہ اور سنی محدثین جو قرآن کریم کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں رکھتے تھے، اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ قرآن کریم میں تحریف ہوئی ہے، لیکن دونوں مذهب کے عظیم علما کی روشن فکری کی بنا پر یہ عقیدہ باطل قرار دیا گیا اور اس کو بھلادیا گیا ہے۔

یہاں تک کہ مرحوم سید مرتضیٰ "المسائل الطرابلسیات" کے جواب میں کہتے ہیں: "قرآن کریم کی نقلِ صحت اتنی واضح اور روشن ہے جیسے دنیا کے مشہور و معروف شہروں کے بارے میں ہمیں اطلاع ہے، یا تاریخ کے مشہور و معروف واقعات معلوم ہیں۔"

مثال کے طور پر کیا کوئی مکہ اور مدینہ یا لندن اور پیرس جیسے مشہور و معروف شہروں کے وجود میں شک کرسکتا ہے؟ اگرچہ کسی انسان نے ان شہروں کو نزدیک سے نہ دیکھا ہو، یا انسان ایران پر مغلوں کے حملے، یا فرانس کے عظیم انقلاب یا پہلی اور دوسری عالمی جنگ کا انکار کرسکتا ہے؟!

پس جیسے ان کا انکار اس لئے نہیں کر سکتے کہ یہ تمام واقعات تواتر کے ساتھ ہم نے سنے ہیں، تو قرآن کریم

کی آیات بھی اسی طرح ہیں ، جس کی تشریح ہم بعد میں بیان کریں گے۔

لہذا جو لوگ اپنے تعصب کے تحت شیعہ اہل سنت کے درمیان اختلاف پیدا کرنے کے لئے تحریف قرآن کی نسبت شیعوں کی طرف دیتے ہیں تو وہ اس نظریہ کو باطل کرنے والے دلائل کیوں بیان نہیں کرتے جو خود شیعہ علما کی کتابوں میں موجود ہیں ؟!

کیا یہ بات جائے تعجب نہیں ہے کہ ”فخر الدین رازی“ جیسا شخص (جو ”شیعوں“ کی نسبت بہت زیادہ متعصب ہے) سورہ حجر کی آیت نمبر ۹ کے ذیل میں کہتا ہے کہ یہ :آیہ ُ شریفہ شیعوں کے عقیدہ کو باطل کرنے کے لئے کافی ہے ، جو قرآن مجید میں تحریف (کمی یا زیادتی) کے قائل ہیں۔

تو ہم فخر رازی کے جواب میں کہتے ہیں: اگر ان کی مراد بزرگ شیعہ محققین ہیں تو ان میں سے کوئی بھی ایسا عقیدہ نہیں رکھتا ہے، اور اگر ان کی مراد بعض علماء کا ضعیف قول ہے تو اس طرح کا نظریہ تو اہل سنت کے یہاں بھی پایا جاتا ہے، جس پر نہ اہل سنت توجہ کرتے ہیں اور نہ ہی شیعہ علمائے توجہ کرتے ہیں۔

چنانچہ مشہور و معروف محقق ”کاشف الغطاء“ اپنی کتاب ”کشف الغطاء“ میں فرماتے ہیں:

”لَا رَيْبَ أَنَّهُ (أَيُّ الْقُرْآنِ) مَحْفُوظٌ مِنَ التَّفْضَانِ بِحِفْظِ الْمَلِكِ الدِّيَّانِ كَمَا دَلَّ عَلَيْهِ صَرِيحُ الْقُرْآنِ وَإِجْمَاعُ الْعُلَمَاءِ فِي كُلِّ زَمَانٍ وَلَا عِبْرَةَ بِنَادِرٍ“ [1]

”اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قرآن مجید میں کسی بھی طرح کی کوئی تحریف نہیں ہوئی ہے، کیونکہ خداوند عالم اس کا محافظ ہے، جیسا کہ قرآن کریم اور ہر زمانہ کے علما کا اجماع اس بات کی وضاحت کرتا ہے اور شاذو نادر قول پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔“

تاریخ اسلام میں ایسی بہت سی غلط نسبتیں موجود ہیں جو صرف تعصب کی وجہ سے دی گئی ہیں جبکہ ہم جانتے ہیں کہ ان میں سے بہت سی نسبتوں کی علت اور وجہ صرف اور صرف دشمنی تھی، اور بعض لوگ اس طرح کی چیزوں کو بھانہ بنا کر کوشش کرتے تھے کہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف کر ڈالیں۔

اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ حجاز کا مشہور و معروف مؤلف ”عبد اللہ علی قصیمی“ اپنی کتاب ”الصراع“ میں شیعوں کی مذمت کرتے ہوئے کہتا ہے:

”شیعہ ہمیشہ سے مسجد کے دشمن رہے ہیں! اور یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شیعہ علاقے میں شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک دیکھے تو بہت ہی کم مسجدیں ملتی ہیں“ [2]

ذرا دیکھے تو سہی ! کہ شیعہ علاقوں میں کس قدر مساجد موجود ہیں، شہر کی سڑکوں پر، گلیوں میں اور بازاروں میں بہت زیادہ مسجدیں ملتی ہیں، کہیں کہیں تو مسجدوں کی تعداد اتنی ہوتی ہے کہ بعض لوگ اعتراض کرنے لگتے ہیں کہ کافی ہے، ہمارے کانوں میں چاروں طرف سے اذانوں کی آوازیں آتی ہیں جن سے ہم پریشان ہیں، لیکن اس کے باوجود مذکورہ مؤلف اتنی وضاحت کے ساتھ یہ بات کہہ رہے ہیں جس پر ہمیں ہنسی آتی ہے چونکہ ہم شیعہ علاقوں میں رہ رہے ہیں، لہذا فخر الدین رازی جیسے افراد مذکورہ نسبت دینے لگیں تو ہمیں کوئی تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ [3]

2۔ قرآن کریم کس طرح معجزہ ہے؟

ہم پہلے قرآن کریم کی عظمت کے سلسلہ میں چند نامور افراد یہاں تک کہ ان لوگوں کے اقوال بھی نقل کریں

گے کہ جن لوگوں پر قرآن کریم سے مقابلہ کرنے کا الزام بھی ہے :

۱۔ ابو العلاء معری (جس پر قرآن کریم سے مقابلہ کرنے کا الزام بھی ہے) کہتا ہے:

اس بات پر سبھی لوگ متفق ہیں (چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلمان) کہ حضرت محمد (ص) پر نازل ہونے والی کتاب نے لوگوں کی عقلوں کو مغلوب اور مبہوت کر دیا ہے، اور ہر ایک اس کی مثل و مانند لانے سے قاصر ہے، اس کتاب کا طرز بیان عرب ماحول کے کسی بھی طرز بیان سے ذرہ برابر بھی مشابہت نہیں رکھتا، نہ شعر سے مشابہ ہے، نہ خطابت سے، اور نہ کاهنوں کے مسجع سے مشابہ ہے، اس کتاب کی کشش اور اس کا امتیاز اس قدر عالی ہے کہ اگر اس کی ایک آیت دوسرے کے کلام میں موجود ہو تو اندھیری رات میں چمکتے ہوئے ستاروں کی طرح روشن ہوگی!۔

۲۔ ولید بن مغیرہ مخزومی، (جو شخص عرب میں حسن تدبیر کے نام سے شہرت رکھتا تھا) اور دور جاہلیت میں مشکلات کو حل کرنے کے لئے اس کی فکر اور تدبیر سے استفادہ کیا جاتا تھا، اسی وجہ سے اس کو ”ریحانہ قریش“ (یعنی قریش کا سب سے بہترین پھول) کہا جاتا تھا، یہ شخص پیغمبر اکرم (ص) سے سورہ غافر کی چند آیتوں کو سننے کے بعد قبیلہ ”بنی مخزوم“ کی ایک نشست میں اس طرح کہتا ہے:

”خدا کی قسم میں نے محمد (ص) سے ایسا کلام سنا ہے جو نہ انسان کے کلام سے شبہت رکھتا ہے اور نہ پریوں کے کلام سے، ”إِنَّ لَهُ لِحَلَاوَةً، وَإِنَّ عَلَيْهِ لَطَلَاوَةً وَإِنَّ أَعْلَاهُ لَمُثْمَرٌ وَإِنَّ أَسْفَلَهُ لَمَغْدِقٌ، وَائْتَهُ يَعْلُو وَ لَا يُعْلَى عَلَيْهِ“ (اس کے کلام کی ایک مخصوص چاشنی ہے، اس میں مخصوص خوبصورتی پائی جاتی ہے، اس کی شاخیں پُر ثمر ہیں اور اس کی جڑیں مضبوط ہیں، یہ وہ کلام ہے جو تمام چیزوں پر غالب ہے اور کوئی چیز اس پر غالب نہیں ہے۔) [4]

۳۔ کارلائل۔ یہ انگلینڈ کا مورخ اور محقق ہے جو قرآن کے حوالہ سے کہتا ہے:

”اگر اس مقدس کتاب پر ایک نظر ڈالی جائے تو اس کے مضامین بر جستہ حقائق اور موجودات کے اسرار اس طرح موجزن ہیں جس سے قرآن مجید کی عظمت بہت زیادہ واضح ہو جاتی ہے، اور یہ خود ایک ایسی فضیلت ہے جو صرف اور صرف قرآن مجید سے مخصوص ہے، اور یہ چیز کسی دوسری علمی، سائنسی اور اقتصادی کتاب میں دیکھنے تک کو نہیں ملتی، اگرچہ بعض کتابوں کے پڑھنے سے انسان کے ذہن پر اثر ہوتا ہے لیکن قرآن کی تاثیر کا کوئی موازنہ نہیں ہے، لہذا ان باتوں کے پیش نظر یہ کہا جائے کہ قرآن کی ابتدائی خوبیاں اور بنیادی دستاویزات جن کا تعلق حقیقت، پاکیزہ احساسات، برجستہ عنوانات اور اس کے اہم مسائل و مضامین میں سے ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہیں، وہ فضائل جو تکمیل انسانیت اور سعادت بشری کا باعث ہیں اس میں ان کی انتہا ہے اور قرآن وضاحت کے ساتھ ان فضائل کی نشاندہی کرتا ہے۔ [5]

۴۔ جان ڈیون پورٹ: یہ کتاب ”عذر تقصیر بہ پیش گاہ محمد و قرآن“ کا مصنف ہے، قرآن کے بارے میں کہتا ہے: ”قرآن نقائص سے اس قدر مبرا و منزہ ہے کہ چھوٹی سی چھوٹی تصحیح اور اصلاح کا بھی محتاج نہیں ہے،

ممکن ہے کہ انسان اسے اول سے آخر تک پڑھ لے اور ذرا بھی تھکان و افسردگی بھی محسوس نہ کرے۔“ [6]
اس کے بعد مزید لکھتا ہے: سب اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ قرآن سب سے زیادہ فصیح و بلیغ زبان اور عرب کے سب سے زیادہ نجیب اور ادیب قبیلہ قریش کے لب و لہجہ میں نازل ہوا ہے اور یہ روشن ترین صورتوں اور محکم ترین تشبیہات سے معمور ہے۔“ [7]

۵۔ گوئٹے: جرمنی شاعر اور دانشور کہتا ہے:
”قرآن ایسی کتاب ہے کہ ابتدا میں قاری اس کی وزنی عبارت کی وجہ سے روگردانی کرنے لگتا ہے لیکن اس کے بعد اس کی کشش کا فریفتہ ہو جاتا ہے اور رے اختیار اس کی متعدد خوبیوں کا عاشق ہو جاتا ہے۔“
یہی گوئٹے ایک اور جگہ لکھتا ہے:
”سالہا سال خدا سے نا آشنا پوپ ہمیں قرآن اور اس کے لانے والے محمد کی عظمت سے دور رکھے رہے مگر علم و دانش کی شاہراہ پر جتنا ہم نے قدم آگے بڑھایا تو جہالت و تعصب کے ناروا پردے ہٹتے گئے اور بہت جلد اس کتاب نے جس کی تعریف و توصیف نہیں ہوسکتی دنیا کو اپنی طرف کھینچ لیا اور اس نے دنیا کے علم و دانش پر گہرا اثر کیا ہے اور آخر کار یہ کتاب دنیا بھر کے لوگوں کے افکار کا محور قرار پائے گی۔“
مزید لکھتا ہے: ”ہم ابتدا میں قرآن سے روگرداں تھے لیکن زیادہ وقت نہیں گزرا کہ اس کتاب نے ہماری توجہ اپنی طرف جذب کر لی اور ہمیں حیران کردیا یہاں تک کہ اس کے اصول اور عظیم علمی قوانین کے سامنے ہم نے سرتسلیم خم کردیا۔“ [8]

۶۔ ول ڈیورانٹ: یہ ایک مشہور مورخ ہے ، لکھتا ہے:
”قرآن نے مسلمانوں میں اس طرح کی عزت نفس، عدالت اور تقویٰ پیدا کیا ہے جس کی مثال دنیا کے دوسرے ممالک میں نہیں ملتی۔“

۷۔ ژول لابوم: یہ ایک فرانسیسی مفکر ہے اپنی کتاب ”تفصیل الآیات“ میں کہتا ہے:
”دنیا نے علم و دانش مسلمانوں سے لیا ہے اور مسلمانوں نے یہ علوم قرآن سے لئے ہیں جو علم و دانش کا دریا ہے اور اس سے عالم بشریت کے لئے کئی نہریں جاری ہوتی ہیں۔“

۸۔ دینورٹ: یہ ایک اور مستشرق ہے، لکھتا ہے: ”ضروری ہے کہ ہم اس بات کا اعتراف کریں کہ علوم طبیعی و فلکی اور فلسفہ و ریاضیات جو یورپ میں رائج ہیں زیادہ تر قرآن کی برکت سے ہیں اور ہم مسلمانوں کے مقروض ہیں بلکہ اس لحاظ سے یورپ ایک اسلامی شہر ہے۔“ [9]

۹۔ ڈاکٹر مسز لورا واکسیاگلیری: یہ نائل یونیورسٹی کی پروفیسر ہے، ”پیش رفت سریع اسلام“ میں لکھتی ہے:
”اسلام کی کتاب آسمانی اعجاز کا ایک نمونہ ہے۔۔۔۔ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جس کی نظیر پیش نہیں کی

جاسکتی، قرآن کا طرز و اسلوب گزشتہ ادبیات میں نہیں پایا جاتا، اور یہ طرز روح انسانی میں جو تاثیر پیدا کرتا ہے وہ اس کے امتیازات اور بلندیوں سے پیدا ہوتی ہے کس طرح ممکن ہے کہ یہ اعجاز آمیز کتاب، محمد کی خود ساختہ ہو جب کہ وہ ایک ایسا عرب تھا جس نے تعلیم حاصل نہیں کی، ہمیں اس کتاب میں علوم کے خزانے اور ذخیرے نظر آتے ہیں جو نہایت ہوش مند اشخاص، بزرگ ترین فلاسفہ اور قوی ترین سیاست مدارو اور قانون داں لوگوں کی استعداد اور ظرفیت سے بلند ہیں، اسی بنا پر قرآن کریم کسی تعلیم یافتہ مفکر اور عالم کا کلام نہیں ہوسکتا۔ [10]، [11]

قرآن مجید کی حقانیت کی ایک دلیل یہ ہے کہ پورے قرآن میں کوئی تضاد اور اختلاف نہیں پایا جاتا، اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے درج ذیل مطالب پر توجہ فرمائیں:

” انسانی خواہشات میں ہمیشہ تبدیلی آتی رہتی ہے، تکامل اور ترقی کا قانون عام حالات میں انسان کی فکر و نظر سے متاثر رہتا ہے، اور زمانہ کی رفتار کے ساتھ اس میں بھی تبدیلی آتی رہتی ہے، اگر ہم غور کریں تو ایک مؤلف کی تحریر ایک جیسی نہیں ہوتی، بلکہ کتاب کے شروع اور آخر میں فرق ہوتا ہے، خصوصاً اگر کوئی شخص ایسے مختلف حوادث سے گزرا ہو، جو ایک فکری، اجتماعی اور اعتقادی انقلاب کے باعث ہوں، تو ایسے شخص کے کلام میں یکسوئی اور وحدت کا پایا جانا مشکل ہے، خصوصاً اگر اس نے تعلیم بھی حاصل نہ کی ہو، اور اس نے ایک پسماندہ علاقہ میں پرورش پائی ہو۔

لیکن قرآن کریم ۲۳ سال کی مدت میاں وقت کے لوگوں کی تربیتی ضرورت کے مطابق نازل ہوا ہے، جبکہ اس وقت کے حالات مختلف تھے، لیکن یہ کتاب موضوعات کے بارے میں متنوع گفتگو کرتی ہے، اور معمولی کتابوں کی طرح صرف ایک اجتماعی یا سیاسی یا فلسفی یا حقوقی یا تاریخی بحث نہیں کرتی، بلکہ کبھی توحید اور اسرار خلقت سے بحث کرتی ہے اور کبھی احکام و قوانین اور آداب و رسوم کی بحث کرتی ہے اور کبھی گزشتہ امتوں اور ان کے ہلا دینے والے واقعات کو بیان کرتی ہے، ایک موقع پر وعظ و نصیحت، عبادت اور انسان کے خدا سے رابطہ کے بارے میں گفتگو کرتی ہے۔

او رڈاکٹر ”گوسٹاولین“ کے مطابق مسلمانوں کی آسمانی کتاب قرآن مجید صرف مذہبی تعلیمات اور احکام میں منحصر نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کے سیاسی اور اجتماعی احکام بھی اس میں درج ہیں۔

عام طور پر ایسی کتاب میں متضاد باتیں، متناقض گفتگو اور بہت زیادہ اتار چڑھاؤ پایا جاتا ہے، لیکن اس کے باوجود بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی آیات ہر لحاظ سے ہم آہنگ او ر ہر قسم کی تناقض گوئی سے خالی ہیں، جس سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آتی ہے کہ یہ کتاب کسی انسان کا نتیجہ فکر نہیں ہے بلکہ خداوند عالم کی طرف سے ہے جیسا کہ خود قرآن کریم نے اس حقیقت کو بیان کیا ہے۔ [12]، [13]

سورہ ہود کی آیت نمبر ۱۲ سے ۱۴ تک ایک بار پھر قرآن مجید کے معجزہ ہونے کو بیان کر رہی ہیں یہ ایک عام گفتگو نہیں ہے، اور کسی انسان کا نتیجہ فکر نہیں ہے، بلکہ یہ آسمانی وحی ہے جس کا سرچشمہ

خداوند عالم کا لا محدود علم و قدرت ہے، اور اسی وجہ سے چیلنج کرتی ہے اور تمام دنیا والوں کو مقابلہ کی دعوت دیتی ہے، لیکن خود پیغمبر اکرم (ص) کے زمانہ کے لوگ بلکہ آج تک بھی، اس کی مثل لانے سے عاجز ہیں، چنانچہ انہوں نے بہت سی مشکلات کو قبول کیا ہے لیکن قرآنی آیات سے مقابلہ نہ کیا، جس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ نوع بشر اس کا جواب نہیں دے سکتا تو اگر یہ معجزہ نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

قرآن کی یہ آواز اب بھی ہمارے کانوں میں گونج رہی ہے، اور یہ ہمیشہ باقی رہنے والا معجزہ اب بھی دنیا والوں کو اپنے مقابلہ کی دعوت دے رہا ہے اور دنیا کی تمام علمی محفلوں کو چیلنج کر رہا ہے، اور یہی نہیں

کہ صرف فصاحت و بلاغت یعنی تحریر کی حلاوت، اس کی جذابت اور واضح مفہوم کو چیلنج کیا ہے بلکہ مضامین کے لحاظ سے بھی چیلنج ہے ایسے علوم جو اس وقت کے لوگوں کے سامنے نہیں آئے تھے، ایسے قوانین و احکام جو انسان کی سعادت اور نجات کا باعث ہیں، ایسا بیان جو ہر طرح کے تناقض اور رٹکراؤ سے خالی ہے، ایسی تاریخ جو ہر طرح کے خرافات اور بے ہودہ باتوں سے خالی ہو۔ [14]

یہاں تک سید قطب اپنی تفسیر ”فی ظلال“ میں بیان کرتے ہیں کہ (سابق) روس کے مستشرقین نے ۱۹۵۴ء میں ایک کانفرس کی تو بہت سے مادیوں نے قرآن مجید میں عیب نکالنا چاہے تو کہا: یہ کتاب ایک انسان (محمد) کا نتیجہ فکر نہیں ہوسکتی بلکہ ایک بڑے گروہ کی کاوشوں کا نتیجہ ہے! یہاں تک کہ اس کے بارے میں یہ بھی یقین نہیں کیا جاسکتا کہ یہ جزیرۃ العرب میں لکھی گئی ہے بلکہ یقین کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اس کا کچھ حصہ جزیرۃ العرب سے باہر لکھا گیا ہے!! [15]

چونکہ یہ لوگ خدا اور وحی کا انکار کرتے ہیں، دوسری طرف قرآن مجید کو جزیرۃ العرب کے انسانی افکار کا نتیجہ نہ مان سکے، لہذا انہوں نے ایک مضحکہ خیز بات کہی اور اس کو عرب اور غیر عرب لوگوں کا نتیجہ فکر قرار دے دیا، جبکہ تاریخ اس بات کا بالکل انکار کرتی ہے۔ [16]

3. کیا قرآن کا اعجاز صرف فصاحت و بلاغت میں منحصر ہے؟

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قرآن مجید کا اعجاز صرف فصاحت و بلاغت اور شیریں بیانی سے مخصوص نہیں ہے (جیسا کہ بعض قدیم مفسرین کا نظریہ ہے) بلکہ اس کے علاوہ دینی تعلیمات، اور ایسے علوم کے لحاظ سے جو اس زمانہ تک پہچانے نہیں گئے تھے، احکام و قوانین، گزشتہ امتوں کی تاریخ ہے کہ جس میں کسی طرح کی غلط بیانی اور خرافات نہیں ہے، اور اس میں کسی طرح کا کوئی اختلاف اور تضاد نہیں ہے، یہ تمام چیزیں اعجاز کا پہلو رکھتی ہیں۔

بلکہ بعض مفسرین کا تو یہ بھی کہنا ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ اور کلمات کا مخصوص آہنگ اور لہجہ بھی اپنی قسم میں خود معجز نما ہے۔

اور اس موضوع کے لئے مختلف شواہد بیان کئے ہیں، منجملہ ان میں مشہور و معروف مفسر سید قطب کے لئے پیش آنے والے واقعات ہیں، موصوف کہتے ہیں:

میں دوسروں کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کے بارے میں گفتگو نہیں کرتا بلکہ صرف اس واقعہ کو بیان کرتا ہوں جو میرے ساتھ پیش آیا، اور ۶ افراد اس واقعہ کے چشم دید گواہ ہیں (خود میں اور پانچ دوسرے افراد) ہم چھ مسلمان ایک مصری کشتی میں ”بحراطلس“ میں نیویورک کی طرف سفر کر رہے تھے، کشتی میں ۱۲۰ عورت مرد سوار تھے، اور ہم لوگوں کے علاوہ کوئی مسلمان نہیں تھا، جمعہ کے دن ہم لوگوں کے ذہن میں یہ بات آئی کہ اس عظیم دریا میں ہی کشتی پر نماز جمعہ ادا کی جائے، ہم چاہتے تھے کہ اپنے مذہبی فرائض کو انجام دینے کے علاوہ ایک اسلامی جذبہ کا اظہار کریں، کیونکہ کشتی میں ایک عیسائی مبلغ بھی تھا جو اس سفر کے دوران عیسائیت کی تبلیغ کر رہا تھا یہاں تک کہ وہ ہمیں بھی عیسائیت کی تبلیغ کرنا چاہتا تھا!۔

کشتی کا ”ناخدا“ ایک انگریز تھا جس نے ہم کو کشتی میں نماز جماعت کی اجازت دیدی، اور کشتی کا تمام اسٹاف افریقی مسلمان تھا، ان کو بھی ہمارے ساتھ نماز جماعت پڑھنے کی اجازت دیدی، اور وہ بھی اس بات سے بہت خوش ہوئے کیونکہ یہ پہلا موقع تھا کہ جب نماز جمعہ کشتی میں ہو رہی تھی!

حقیر (سید قطب) نے نماز جمعہ کی امامت کی ، اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ سبھی غیر مسلم مسافر ہمارے چاروں طرف کھڑے ہوئے اس اسلامی فریضہ کے ادائیگی کو غور سے دیکھ رہے تھے۔ نماز جمعہ تمام ہونے کے بعد بہت سے لوگ ہمارے پاس آئے اور اس کامیابی پر ہمیں مبارک باد پیش کی، جن میں ایک عورت بھی تھی جس کو ہم بعد میں سمجھے کہ وہ عیسائی ہے اور یوگو سلاویہ کی رہنے والی ہے اور ٹیٹو اور ریکیونیزم کے جہنم سے بھاگی ہے!! اس پر ہماری نماز کا بہت زیادہ اثر ہوا یہاں تک کہ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور وہ خود پر قابو نہیں پارہی تھی۔

وہ سادہ انگریزی میں گفتگو کر رہی تھی اور بہت ہی زیادہ متاثر تھی ایک خاص خضوع و خشوع میں بول رہی تھی، چنانچہ اس نے سوال کیا کہ یہ بتاؤ کہ تمہارا پادری کس زبان میں پڑھ رہا تھا، (وہ سوچ رہی تھی کہ نماز پڑھانے والا پادری کوئی روحانی ہونا چاہئے، جیسا کہ خود عیسائیوں کے یہاں ہوتا ہے ، لیکن ہم نے اس کو سمجھایا کہ اس اسلامی عبادت کو کوئی بھی باایمان مسلمان انجام دے سکتا ہے) آخر کار ہم نے اس سے کہا کہ ہم عربی زبان میں نماز پڑھ رہے تھے۔

اس نے کہا: میں اگرچہ ان الفاظ کے معنی کو نہیں سمجھ رہی تھی، لیکن یہ بات واضح ہے کہ ان الفاظ کا ایک عجیب آہنگ اور لہجہ ہے اور سب سے زیادہ قابل توجہ بات مجھے یہ محسوس ہوئی کہ تمہارے امام کے خطبوں کے درمیان کچھ ایسے جملے تھے جو واقعاً دوسروں سے ممتاز تھے، وہ ایک غیر معمولی اور عمیق انداز کے محسوس ہو رہے تھے، جس سے میرا بدن لرز رہا تھا، یقیناً یہ کلمات کوئی دوسرے مطالب تھے، میرا نظریہ یہ ہے کہ جس وقت تمہارا امام ان کلمات کو ادا کرتا تھا تو اس وقت ”روح القدس“ سے مملو ہوتا تھا!! ہم نے کچھ غور و فکر کیا تو سمجھ گئے کہ یہ جملے وہی قرآنی آیات تھے جو خطبوں کے درمیان پڑھے گئے تھے واقعاً اس موضوع نے ہمیں ہلا کر رکھ دیا اور اس نکتہ کی طرف متوجہ ہوئے کہ قرآن مجید کا مخصوص لہجہ اتنا مؤثر ہے کہ اس نے اس عورت کو بھی متاثر کر دیا جو ایک لفظ بھی نہیں سمجھ سکتی تھی لیکن پھر بھی اس پر بہت زیادہ اثر ہوا۔ [17][18]

4. قرآن کی مثل کیسے نہ لاسکے؟

جیسا کہ ہم سورہ بقرہ میں پڑھتے ہیں:

> وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ ... < [19]

”اگر تمہیں اس کلام کے بارے میں کوئی شک ہے جسے ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو اس کے جیسا ایک ہی سورہ لے آؤ۔“

یہاں پر یہ سوال اٹھتا ہے کہ دشمنان اسلام قرآن کی مثل کیسے نہ لاسکے؟ اگر ہم اسلامی تاریخ پر ایک نظر ڈالیں تو اس سوال کا جواب آسانی سے روشن ہو جاتا ہے، کیونکہ اسلامی ممالک میں پیغمبر اکرم (ص) کے زمانہ میں اور آپ کی وفات کے بعد خود مکہ اور مدینہ میں بہت ہی متعصب دشمن، یہود اور نصاریٰ رہتے تھے جو مسلمانوں کو کمزور بنانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے تھے، ان کے علاوہ خود مسلمانوں کے درمیان بعض ”مسلمان نما“ افراد موجود تھے جن کو قرآن کریم نے ”منافق“ کہا ہے، جو غیروں کے لئے ”جاسوسی“ کا رول ادا کر رہے تھے (جیسے ”ابوعامر راہب“ اور اس کے منافق ساتھی، جن کا

رابطہ روم کے بادشاہ سے تھا اور تاریخ نے اس کو نقل کیا ہے یہاں تک کہ انہوں نے مدینہ میں ”مسجد ضرار“ بھی بنائی ، اور وہ عجیب و غریب واقعہ پیش آیا جس کا اشارہ سورہ توبہ نے کیا ہے۔
مسلم طور پر منافقین کا یہ گروہ اور اسلام کے بعض دوسرے بڑے بڑے دشمن مسلمانوں کے حالات پر نظر رکھے ہوئے تھے اور مسلمانوں کے ہو نے والے نقصان پر بہت خوش ہوا کرتے تھے، نیز مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لئے اپنی پوری طاقت سے ان واقعات کو نشر کرتے تھے، یا کم از کم ان واقعات کو حفظ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے ذرا بھی قرآن سے مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا ہے، تاریخ نے ان کا نام نقل کیا ہے، چنانچہ ان میں درج ذیل افراد کا نام لیا جاتا ہے:
”عبد اللہ بن مقفع“ کا نام تاریخ نے بیان کیا ہے کہ اس نے ”الدرة اليتيمة“ نامی کتاب اسی وجہ سے لکھی ہے۔ جبکہ مذکورہ کتاب ہمارے یہاں موجود ہے اور کئی مرتبہ چھپ بھی چکی ہے لیکن اس کتاب میں اس طرف ذرا بھی اشارہ نہیں ہے، ہمیں معلوم کھکس طرح اس شخص کی طرف یہ نسبت دی گئی ہے؟
احمد بن حسین کوفی ”متنبی“ جو کہ کوفہ کا مشہور شاعر تھا اس کا نام بھی اسی سلسلہ میں بیان کیا ہے کہ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، جب کہ بہت سے قرائن اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اس کی بلند پروازی، خاندانی پسماندگی اور جاہ و مقام کی آرزو اس میں سبب ہوئی ہے۔

ابو العلاء معری پر بھی اسی چیز کا الزام ہے ، اگرچہ اس نے اسلام کے سلسلہ میں بہت سی نازیبا حرکتیں کی ہیں لیکن قرآن سے مقابلہ کرنے کا تصور اس کے ذہن میں نہیں تھا، بلکہ اس نے قرآن کی عظمت کے سلسلہ میں بہت سی باتیں کہی ہیں۔

لیکن ”مسيلمہ کذاب“ اہل یمامہ میں سے ایک ایسا شخص تھا جس نے قرآن کا مقابلہ کرتے ہوئے اس جیسی آیات بنانے کی ناکام کوشش کی ، جس میں تفریحی پہلو زیادہ پایا جاتا ہے، یہاں پر اس کے چند جملے نقل کرنا مناسب ہوگا:

۱۔ سورہ ”الذاریات“ کے مقابلہ میں یہ جملے پیش کئے:

”وَالْمُبْدِرَاتِ بَذْرًا وَالْحَاصِدَاتِ حَصْدًا وَالطَّاحِنَاتِ طَحْنًا وَالْعَاجِنَاتِ عَجْنًا وَالْحَابِرَاتِ حُبْرًا وَالثَّارِدَاتِ ثَرْدًا وَاللَّاقِمَاتِ لَقْمًا إِهَالَةً وَسَمْنًا“ [20]

”یعنی قسم ہے کسانوں کی، قسم ہے بیج ڈالنے والوں کی، قسم ہے گھاس کو گندم سے جدا کرنے والوں کی اور قسم ہے گندم کو گھاس سے جدا کرنے والوں کی، قسم ہے آٹا گوندھنے والیوں کی اور قسم ہے روٹی پکانے والیوں کی اور قسم ہے تر اور نرم لقمہ اٹھانے والوں کی“!!

۲۔ یا ضفدع بنت ضفدع، نَقِيٍّ مَا تَنْقِيْنِ، نِصْفَكَ فِي الْمَاءِ وَنِصْفَكَ فِي الطِّينِ لَا الْمَاءُ تَكْدِرِيْنَ وَلَا الشَّارِبُ

تَمْنَعِيْنَ“ [21] [22]

” اے مینڈک بنت مینڈک! جو تو چاہے آواز دے! تیرا آدھا حصہ پانی میں اور آدھا کیچڑ میں ہے، تو نہ پانی کو خراب کرتی ہے اور نہ کسی کو پانی پینے سے روکتی ہے۔“

5. قرآن کے حروف مقطعات سے کیا مراد ہے؟

قرآن مجید کے ۲۹ سوروں کے شروع میں حروف مقطعات آئے ہیں، اور جیسا کہ ان کے نام سے ظاہر ہے کہ یہ الگ الگ حروف ہیں اور ایک دوسرے سے جدا دکھائی دیتے ہیں، جس سے کسی لفظ کا مفہوم نہیں نکلتا۔ قرآن مجید کے حروف مقطعات، ہمیشہ قرآن کے اسرار آمیز الفاظ شمار ہوئے ہیں، اور مفسرین نے اس سلسلہ میں متعدد تفسیریں بیان کی ہیں، آج کل کے دانشوروں کی جدید تحقیقات کے مد نظر ان کے معنی مزید واضح ہو جاتے ہیں۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ کسی بھی تاریخ نے بیان نہیں کیا ہے کہ دور جاہلیت کے عرب یا مشرکین نے قرآن کے بہت سے سوروں میں حروف مقطعات پر کوئی اعتراض کیا ہو، یا ان کا مذاق اڑایا ہو، جو خود اس بات کی بہترین دلیل ہے کہ وہ لوگ حروف مقطعات کے اسرار سے بالکل بے خبر نہیں تھے۔

بہر حال مفسرین کی بیان کردہ چند تفسیریں موجود ہیں، سب سے زیادہ معتبر اور اس سلسلہ میں کی گئی تحقیقات سے ہم آہنگ دکھائی دینے والی تفاسیر کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ یہ حروف اس بات کی طرف اشارہ ہیں کہ یہ عظیم الشان آسمانی کتاب کہ جس نے تمام عرب اور عجم کے دانشوروں کو تعجب میں ڈال دیا ہے اور بڑے بڑے سخنور اس کے مقابلہ سے عاجز ہو چکے ہیں، نمونہ کے طور پر یہی حروف مقطعات ہیں جو سب کی نظروں کے سامنے موجود ہیں۔

جبکہ قرآن مجید انہیں الفابیٹ اور معمولی الفاظ سے مرکب ہے، لیکن اس کے الفاظ اتنے مناسب اور اتنے عظیم معنی لئے ہوئے ہے جو انسان کے دل و جان میں اثر کرتے ہیں، روح پر ایک گہرے اثر ڈالتے ہیں، جن کے سامنے افکار اور عقول تعظیم کرتی ہوئی نظر آتی ہیں، اس کے جملے عظمت کے بلند درجہ پر فائز ہیں اور اپنے اندر معنی کا گویا ایک سمندر لئے ہوئے ہیں جس کی کوئی مثل و نظیر نہیں ملتی۔

حروف مقطعات کے سلسلے میں اس بات کی تائید یوں بھی ہوتی ہے کہ قرآن مجید کے جہاں سوروں کے شروع میں حروف مقطعات آئے ہیں ان میں سے ۲۲ مقامات پر قرآن کی عظمت بیان کی گئی ہے، جو اس بات کی بہترین دلیل ہے کہ ان دونوں (عظمت قرآن اور حروف مقطعات) میں ایک خاص تعلق ہے۔

ہم یہاں پر چند نمونے پیش کرتے ہیں:

۱۔ [23]

الرَّیْہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں محکم بنائی گئی ہیں اور ایک صاحب علم و حکمت کی طرف سے تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔

۲۔ [24]

”طس“، یہ قرآن اور روشن کتاب کی آیتیں ہیں۔

۳۔ [25]

”الم“، یہ حکمت سے بھری ہوئی کتاب کی آیتیں ہیں۔

۴۔ [26]

”المص، یہ کتاب آپ کی طرف نازل کی گئی ہے۔“

ان تمام مقامات اور قرآن مجید کے دوسرے سوروں کے شروع میں حروف مقطّعه ذکر ہونے کے بعد قرآن اور اس کی عظمت کی گفتگو ہوئی ہے۔[27]

۲۔ ممکن ہے قرآن کریم میں حروف مقطّعات بیان کرنے کا دوسرا مقصد یہ ہو کہ سننے والے متوجہ ہو جائیں اور مکمل خاموشی کے ساتھ سنیں، کیونکہ گفتگو کے شروع میں اس طرح کے جملے عربوں کے درمیان عجیب و غریب تھے، جس سے ان کی توجہ مزید مبذول ہو جاتی تھی، اور مکمل طور سے سنتے تھے، اور یہ بھی اتفاق ہے کہ جن سوروں کے شروع میں حروف مقطّعات آئے ہیں وہ سب مکی سورے ہیں، اور ہم جانتے ہیں کہ وہاں پر مسلمان اقلیت میں تھے، اور پیغمبر اکرم (ص) کے دشمن تھے، آپ کی باتوں کو سننے کے لئے بھی تیار نہیں تھے، کبھی کبھی اتنا شور و غل کیا کرتے تھے کہ پیغمبر اکرم (ص) کی آواز تک سنائی نہیں دیتی تھی، جیسا کہ قرآن مجید کی بعض آیات (جیسے سورہ فصلت، آیت نمبر ۲۶) اسی چیز کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

۳۔ اہل بیت علیہم السلام کی بیان شدہ بعض روایات میں پڑھتے ہیں کہ یہ حروف مقطّعات، اسماء خدا کی طرف اشارہ ہیں جیسے سورہ اعراف میں ”المص“، ”انا اللہ المقتدر الصادق“ (میں صاحب قدرت اور سچا خدا ہوں) اس لحاظ سے چاروں حرف خداوند عالم کے ناموں کی طرف اشارہ ہیں۔ مختصر شکل (یا کوڈ ورڈ) کو تفصیلی الفاظ کی جگہ قرار دینا قدیم زمانہ سے رائج ہے، اگرچہ دور حاضر میں یہ سلسلہ بہت زیادہ رائج ہے، اور بہت ہی بڑی بڑی عبارتوں یا اداروں اور انجمنوں کے نام کا ایک کلمہ میں خلاصہ ہو جاتا ہے۔

ہم اس نکتہ کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں کہ ”حروف مقطّعات“ کے سلسلہ میں یہ مختلف معنی آپس میں کسی طرح کا کوئی ٹکراؤ نہیں رکھتے، اور ممکن ہے کہ یہ تمام تفسیریں قرآن کے مختلف معنی کی طرف اشارہ ہوں۔[28]

۴۔ ممکن ہے کہ یہ تمام حروف یا کم از کم ان میں ایک خاص معنی اور مفہوم کا حامل ہو، بالکل اسی طرح جیسے دوسرے الفاظ معنی و مفہوم رکھتے ہیں۔

اتفاق کی بات یہ ہے کہ سورہ طہ اور سورہ یس کی تفسیر میں بہت سی روایات اور مفسرین کی گفتگو میں ملتا ہے کہ ”طہ“ کے معنی یا رجل (یعنی اے مرد) کے ہیں، جیسا کہ بعض عرب شعرا کے شعر میں لفظ طہ آیا ہے اور اے مرد کے مشابہ یا اس کے نزدیک معنی میں استعمال ہوا ہے، جن میں سے بعض اشعار یا تو اسلام سے پہلے کے ہیں یا آغاز اسلام کے۔[29]

یہاں تک کہ ایک صاحب نے ہم سے نقل کیا کہ مغربی ممالک میں اسلامی مسائل پر تحقیق کرنے والے دانشوروں نے اس مطلب کو تمام حروف مقطّعات کے بارے میں قبول کیا ہے اور اس بات کا اقرار کیا ہے کہ قرآن مجید کے سوروں کی ابتداء میں جو حروف مقطّعات بیان ہوئے ہیں وہ اپنے اندر خاص معنی لئے ہوئے ہیں جو گزشتہ زمانہ میں متروک رہے ہیں، اور صرف بعض ہم تک پہنچے ہیں، ورنہ تو یہ بات بعید ہے کہ عرب

کے مشرکین حروف مقطعات کو سنیں اور ان کے معنی کو نہ سمجھیں اور مقابلہ کے لئے نہ کھڑے ہوں، جبکہ کوئی بھی تاریخ یہ بیان نہیں کرتی کہ ان کم دماغ والے اور بھانہ باز لوگوں نے حروف مقطعات کے سلسلہ میں کسی ردّ عمل کا اظہار کیا ہو۔

البتہ یہ نظریہ عام طور پر قرآن مجید کے تمام حروف مقطعات کے سلسلے میں قبول کیا جانا مشکل ہے، لیکن بعض حروف مقطعات کے بارے میں قبول کیا جاسکتا ہے، کیونکہ اسلامی منابع ومصادر میں اس موضوع پر بحث کی گئی ہے۔

یہ مطلب بھی قابل توجہ ہے کہ حضرت امام صادق علیہ السلام سے منقول ایک حدیث میں بیان ہوا ہے کہ ”طہ“ پیغمبر اکرم (ص) کا ایک نام ہے، جس کے معنی ”یا طالب الحق، الہادی الیہ“ (اے حق کے طالب اور حق کی طرف ہدایت کرنے والے)

اس حدیث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ لفظ ”طہ“ دو اختصاری حرف سے مرکب ہے ایک ”طا“ جو ”طالب الحق“ کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے ”ھا“ جو ”ہادی الیہ“ کی طرف اشارہ ہے۔

اس سلسلہ میں آخری بات یہ ہے کہ ایک مدت گزرنے کے بعد لفظ ”طہ“، لفظ ”یس“ کی طرح آہستہ آہستہ پیغمبر اکرم (ص) کے لئے ”اسم خاص“ کی شکل اختیار کر گیا ہے، جیسا کہ آل پیامبر (ص) کو ”آل طہ“ بھی کہا گیا، جیسا کہ دعائے ندبہ میں حضرت امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ، کو ”یابن طہ“ کہا گیا ہے۔ [30]

۵۔ علامہ طباطبائی (علیہ الرحمہ) نے ایک دوسرا احتمال دیا ہے جس کو حروف مقطعات کی ایک دوسری تفسیر شمار کیا جاسکتا ہے، اگرچہ موصوف نے اس کو ایک احتمال اور گمان کے عنوان سے بیان کیا ہے۔ ہم آپ کے سامنے موصوف کے احتمال کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں:

جس وقت ہم حروف مقطعات سے شروع ہونے والے سوروں پر غور و فکر کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ مختلف سوروں میں بیان ہوئے حروف مقطعات سورہ میں بیان شدہ مطالب میں مشترک ہیں مثال کے طور پر جو سورے ”حم“ سے شروع ہوتے ہیں اس کے فوراً بعد جملہ (سورہ زمر آیت ۱) یا اسی مفہوم کا جملہ بیان ہوتا ہے اور جو سورے ”الر“ سے شروع ہوتے ہیں ان کے بعد یا اس کے مانند جملے بیان ہوئے ہیں۔ اور جو سورے ”الم“ سے شروع ہوتے ہیں اس کے بعد یا اس سے ملتے جلتے کلمات بیان ہوئے ہیں۔ اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حروف مقطعات اور ان سوروں میں بیان ہوئے مطالب میں ایک خاص رابطہ ہے مثال کے طور پر سورہ اعراف جو ”الْمَص“ سے شروع ہوتا ہے اس کا مضمون اور سورہ ”الم“ اور سورہ ”ص“ کا مضمون تقریباً ایک ہی ہے۔

البتہ ممکن ہے کہ یہ رابطہ بہت عمیق اور دقیق ہو، جس کو ایک عام انسان سمجھنے سے قاصر ہو۔ اور اگر ان سوروں کی آیات کو ایک جگہ رکھ کر آپس میں موازنہ کریں تو شاید ہمارے لئے ایک نیا مطلب کشف ہو جائے۔ [31] [32]

6. قرآن مجید پیغمبر اکرم کے زمانہ میں مرتب ہو چکا تھا یا بعد میں ترتیب دیا گیا؟

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ قرآن مجید کے پہلے سورے کا نام ”فاتحۃ الكتاب“ ہے، ”فاتحۃ الكتاب“ یعنی کتاب

(قرآن) کی ابتدا اور پیغمبر اکرم (ص) سے منقول بہت سی روایات کے پیش نظر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خود آنحضرت (ص) کے زمانہ میں اس سورہ کو اسی نام سے پکارا جاتا تھا۔

یہیں سے ایک درجہ اسلام کے مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ کی طرف وا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ ایک گروہ کے درمیان یہ مشہور ہے کہ (پیغمبر اکرم (ص) کے زمانہ میں قرآن پراکندہ تھا بعد میں حضرت ابوبکر یا عمر یا عثمان کے زمانہ میں مرتب ہوا ہے)، قرآن مجید خود پیغمبر اکرم (ص) کے زمانہ میں اسی ترتیب سے موجود تھا جو آج ہمارے یہاں موجود ہے، اور جس کا سر آغاز یہی سورہ حمد تھا، ورنہ تو یہ پیغمبر اکرم (ص) پر نازل ہونے والا سب سے پہلا سورہ نہیں تھا اور نہ ہی کوئی دوسری دلیل تھی جس کی بنا پر اسے ”فاتحۃ الكتاب“ کے نام سے یاد کیا جاتا۔

اس کے علاوہ اور بہت سے شواہد اس حقیقت کی تائید کرتے ہیں کہ قرآن کریم اسی موجودہ صورت میں پیغمبر اکرم (ص) کے زمانہ میں جمع ہو چکا تھا۔

”علی بن ابراہیم (رہ)“ حضرت امام صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت رسول خدا نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: قرآن کریم حریر کے کپڑوں، کاغذ اور ان جیسی دوسری چیزوں پر متفرق ہے لہذا اس کو ایک جگہ جمع کرلو“ اس کے بعد مزید فرماتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام اس نشست سے اٹھے اور قرآن کو ایک زرد رنگ کے کپڑے پر جمع کیا اور اس پر مہر لگائی:

”وَانْطَلَقَ عَلَيَّ (ع) فَجَمَعَهُ فِي ثَوْبٍ اَصْفَرٍ ثُمَّ خَتَمَ عَلَيْهِ“ [33]

ایک دوسرا گواہ: ”خوارزمی“ اہل سنت کے مشہور و معروف مؤلف اپنی کتاب ”مناقب“ میں ”علی بن رباح“ سے نقل کرتے ہیں کہ قرآن مجید کو حضرت علی بن ابی طالب اور ابی بن کعب نے پیغمبر اکرم (ص) کے زمانہ ہی میں جمع کر دیا تھا۔

تیسرا گواہ: اہل سنت کے مشہور و معروف مؤلف حاکم نیشاپوری اپنی کتاب ”مستدرک“ میں زید بن ثابت سے نقل کرتے ہیں:

زید کہتے ہیں: ”ہم لوگ قرآن کے مختلف حصوں کو پیغمبر اکرم (ص) کی خدمت میں جمع کرتے تھے اور آنحضرت (ص) کے فرمان کے مطابق اس کی مناسب جگہ قرار دیتے تھے، لیکن پھر بھی یہ لکھا ہوا قرآن متفرق تھا، حضرت رسول خدا (ص) نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ اس کو ایک جگہ جمع کر دیں، اور ہمیں اس کی حفاظت کے لئے تاکید کیا کرتے تھے۔“

عظیم الشان شیعہ عالم دینسید مرتضیٰ کہتے ہیں: قرآن مجید پیغمبر اکرم (ص) کے زمانہ میں اسی موجودہ صورت میں مرتب ہو چکا تھا“ [34]

طبرانی اور ابن عساکر دونوں ”شعبی“ سے نقل کرتے ہیں کہ پیغمبر اکرم (ص) کے زمانہ میں انصار کے چھ افراد نے قرآن کو جمع کیا۔ [35] اور قتادہ نقل کرتے ہیں کہ میں نے انس سے سوال کیا کہ پیغمبر اکرم (ص) کے زمانہ میں کن لوگوں نے قرآن جمع کیا تھا؟ تو انہوں نے: ابی بن کعب، معاذ، زید بن ثابت اور ابوزید کا نام لیا جو سبھی انصار میں سے تھے [36] اس کے علاوہ بھی بہت سی روایات ہیں جو اسی مطلب کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ اگر ہم ان سب کو بیان کریں تو ایک طولانی بحث ہو جائے گی۔

بہر حال شیعہ اور سنی کتب میں نقل ہونے والی روایات جن میں سورہ حمد کو ”فاتحۃ الكتاب“ کا نام دیا جانا، اس موضوع کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔

سوال:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس طرح اس بات پر یقین کیا جاسکتا ہے جبکہ بہت سے علما کے نزدیک یہ بات مشہور ہے کہ قرآن کریم کو پیغمبر اکرم (ص) کی وفات کے بعد ترتیب دیا گیا ہے (حضرت علی ریال کے ذریعہ یا دوسرے لوگوں کے ذریعہ)

اس سوال کے جواب میں یہ کہتے ہیں: حضرت علی علیہ السلام کا جمع کیا ہوا قرآن خالی قرآن نہیں تھا بلکہ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ اس کی تفسیر اور شان نزول بھی تھی۔

البتہ کچھ ایسے قرائن و شواہد بھی پائے جاتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عثمان نے قرائت کے اختلاف کو دور کرنے کے لئے ایک قرآن لکھا جس میں قرائت اور نقطوں کا اضافہ کیا (چونکہ اس وقت تک نقطوں کا رواج نہیں تھا) بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ پیغمبر اکرم (ص) کے زمانہ میں کسی بھی صورت میں قرآن جمع نہیں کیا گیا تھا بلکہ یہ افتخار خلیفہ دوم یا حضرت عثمان کو نصیب ہوا، تو یہ بات فضیلت سازی کا زیادہ پہلو رکھتی ہے لہذا اصحاب کی فضیلت بڑھانے کے لئے نسبت دیتے ہیں اور روایت نقل کرتے ہیں۔

بہر حال اس بات پر کس طرح یقین کیا جاسکتا ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) اتنے اہم کام پر کوئی توجہ نہ کریں جبکہ آنحضرت (ص) چھوٹے چھوٹے کاموں کو بہت اہمیت دیتے تھے، کیا قرآن کریم اسلام کے بنیادی قوانین کی کتاب نہیں ہے؟! کیا قرآن کریم تعلیم و تربیت کی عظیم کتاب نہیں ہے؟! کیا قرآن کریم اعتقادات نیز اسلامی منصوبوں کی بنیادی کتاب نہیں ہے؟! کیا پیغمبر اکرم (ص) کے زمانہ میں قرآن کریم کے جمع نہ کرنے سے یہ خطرہ درپیش نہ تھا کہ اس کا کچھ حصہ نابود ہو جائے گا یا مسلمانوں کے درمیان اختلاف ہو جائے گا؟! اس کے علاوہ مشہور و معروف حدیث ”ثقلین“ جس کو شیعہ اور سنی دونوں فرقوں نے نقل کیا ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) نے فرمایا: ”میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جارہا ہوں: ایک کتاب خدا (قرآن) اور دوسرے میری عترت (اہل بیت (ع))۔“ اس حدیث سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم ایک کتاب کی شکل میں موجود تھا۔

اور اگر ہم دیکھتے ہیں کہ بعض روایات میں بیان ہوا ہے کہ خود آنحضرت (ص) کی زیرنگرانی بعض اصحاب نے قرآن جمع کیا، اور وہ تعداد کے لحاظ سے مختلف ہیں تو اس سے کوئی مشکل پیدا نہیں ہوتی، کیونکہ ممکن ہے کہ ہر روایت ان میں سے کسی ایک کی نشاندہی کرتی ہو۔ [37]

7. قرآن مجید کی آیات میں محکم اور متشابہ سے کیا مراد ہے؟

جیسا کہ ہم سورہ آل عمران میں پڑھتے ہیں:

> هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ [38]

”اس نے آپ پر وہ کتاب نازل کی ہے جس میں سے کچھ آیتیں محکم ہیں جو اصل کتاب ہیں اور کچھ متشابہ ہیں۔“

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ”محکم“ اور ”متشابہ“ سے کیا مراد ہے؟

لفظ ”محکم“ کی اصل ”احکام“ ہے اسی وجہ سے مستحکم اور پائیدار موضوعات کو ”محکم“ کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ خود سے نابودی کے اسباب کو دور کرتے ہیں، اور اسی طرح واضح و روشن گفتگو جس میں احتمال

خلاف نہ پایا جاتا ہو اس کو ”محکم“ کہا جاتا ہے، اس بنا پر ”محکمت“ سے وہ آیتیں مراد ہیں جن کا مفہوم اور معنی اس قدر واضح اور روشن ہو کہ جس کے معنی میں بحث و گفتگو کی کوئی گنجائش نہ ہو، مثال کے طور پر درج ذیل آیات :

اور اس کی طرح دوسری ہزاروں آیات جو عقائد، احکام، وعظ و نصیحت اور تاریخ کے بارے میں موجود ہیں یہ سب آیات ”محکمت“ ہیں، ان محکم آیات کو قرآن کریم میں ”امّ الكتاب“ کا نام دیا گیا ہے، یعنی یہی آیات اصل، اور مرجع و مفسر ہیں اور یہی آیات دیگر آیات کی وضاحت کرتی ہیں۔

لفظ ”متشابہ“ کے لغوی معنی یہ ہیں کہ اس کے مختلف حصے ایک دوسرے کے شبیہ اور مانند ہوں، اسی وجہ سے ایسے جملے جن کے معنی پیچیدہ ہوں اور جن کے بارے میں مختلف احتمالات دئے جاسکتے ہوں ان کو ”متشابہ“ کہا جاتا ہے، اور قرآن کریم میں بھی یہی معنی مراد ہیں، یعنی ایسی آیات جن کے معنی ابتدائی نظر میں پیچیدہ ہیں شروع میں کئی احتمالات دئے جاتے ہیں اگرچہ آیات ”محکمت“ پر توجہ کرنے سے اس کے معنی واضح اور روشن ہو جاتے ہیں۔

اگرچہ ”محکم“ اور ”متشابہ“ کے سلسلہ میں مفسرین نے بہت سے احتمالات دئے ہیں لیکن ہمارا پیش کردہ مذکورہ نظریہ ان الفاظ کے اصلی معنی کے لحاظ سے بھی مکمل طور پر ہم آہنگ ہے اور شان نزول سے بھی، آیت کی تفسیر کے سلسلہ میں بیان ہونے والی روایات سے بھی، اور محل بحث آیت سے بھی، کیونکہ مذکورہ آیت کے ذیل میں ہم پڑھتے ہیں کہ بعض خود غرض لوگ ”متشابہ“ آیات کو اپنی دلیل قرار دیتے تھے، یہ بات واضح ہے کہ وہ لوگ آیات سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتے تھے کہ متشابہ آیات سرسری نظر میں متعدد معنی کئے جانے کی صلاحیت رکھتی ہیں جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ”متشابہ“ سے وہی معنی مراد ہیں جو ہم نے اوپر بیان کئے ہیں۔

”متشابہ“ وہ آیات ہیں جو خداوند عالم کے صفات اور معاد کی کیفیت کے بارے میں ہیں ہم یہاں پر چند آیات کو نمونہ کے طور پر بیان کرتے ہیں: (خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے) جو خداوند عالم کی قدرت کے بارے میں ہے، اسی طرح (خدا سننے والا اور عالم ہے) یہ آیت خداوند عالم کے علم کے بارے میں دلیل ہے، اسی طرح (ہم روز قیامت عدالت کی ترازو قائم کریں گے) یہ آیت اعمال کے حساب کے بارے میں ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ نہ خداوند عالم کے ہاتھ ہیں اور نہ ہی وہ آنکھ اور کان رکھتا ہے، اور نہ ہی اعمال کے حساب و کتاب کے لئے ہمارے جیسی ترازو رکھتا ہے بلکہ یہ سب خداوند عالم کی قدرت اور اس کے علم کی طرف اشارہ ہیں۔

یہاں اس نکتہ کی یاد دہانی کرانا ضروری ہے کہ قرآن مجید میں محکم اور متشابہ دوسرے معنی میں بھی آئے ہیں جیسا کہ سورہ ہود کے شروع میں ارشاد ہوتا ہے: اس آیت میں تمام قرآنی آیات کو ”محکم“ قرار دیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیات آپس میں ایک دوسرے سے تعلق رکھتی ہیں، اور سورہ زمر میں آیت نمبر ۲۳ میں ارشاد ہوتا ہے: اس آیت میں قرآن کی تمام آیات کو متشابہ قرار دیا گیا ہے کیونکہ یہاں متشابہ کے معنی حقیقت، صحیح اور درست ہونے کے لحاظ سے تمام آیات ایک دوسرے جیسی ہیں۔

لہذا محکم اور متشابہ کے حوالہ سے ہمارے بیان کئے ہوئے مطالب کے پیش نظر معلوم ہو جاتا ہے ایک حقیقت پسند اور حق تلاش کرنے والے انسان کے لئے خداوند عالم کے کلام کو سمجھنے کا یہی ایک راستہ ہے کہ تمام آیات کو پیش نظر رکھے اور ان سے حقیقت تک پہنچ جائے، چنانچہ اگر بعض آیات میں ابتدائی لحاظ سے کوئی ابہام اور پیچیدگی دیکھے تو دوسری آیات کے ذریعہ اس ابہام اور پیچیدگی کو دور کر کے اصل تک پہنچ جائے، درحقیقت ”آیات محکمت“ ایک شاہراہ کی طرح ہیں اور ”آیات متشابہات“ فرعی راستوں کی طرح ہیں،

کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ اگر انسان فرعی راستوں میں بھٹک جائے تو کوشش کرتا ہے کہ اصلی راستہ پر پہنچ جائے، اور وہاں پہنچ کر صحیح راستہ کو معین کر لے۔ چنانچہ آیات محکمات کو ”اُمّ الکتاب“ کہا جانا بھی اس حقیقت کی تاکید کرتا ہے، کیونکہ عربی میں لفظ ”اُمّ“ کے معنی ”اصل اور بنیاد“ کے ہیں، اور اگر ماں کو ”اُمّ“ کہا جاتا ہے تو اسی وجہ سے کہ بچوں کی اصل اور اپنی اولاد کی مختلف مشکلات اور حوادث میں پناہ گاہ ہوتی ہے، اسی طرح آیات محکمات دوسری آیات کی اصل اور ماں شمار ہوتی ہیں۔ [39]

8. کیوں بعض قرآنی آیات متشابہ ہیں؟

لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں متشابہ آیات کی وجہ کیا ہے؟ جبکہ قرآن مجید نور، روشنی، کلام حق اور واضح ہے نیز لوگوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے تو پھر قرآن مجید میں اس طرح کی متشابہ آیات کیوں ہیں اور قرآن مجید کی بعض آیات کا مفہوم پیچیدہ کیوں ہے کہ بعض اوقات شریکوں کو ناجائز فائدہ اٹھانے کا موقع مل جاتا ہے؟ یہ موضوع درحقیقت بہت اہم ہے جس پر بھرپور توجہ کرنے کی ضرورت ہے، کلی طور پر درج ذیل چیزیں قرآن مجید میں متشابہ آیات کا راز اور وجہ ہو سکتی ہیں:

۱۔ انسان جو الفاظ اور جملے استعمال کرتا ہے وہ صرف روزِ مرہ کی ضرورت کے تحت ہوتے ہیں، اسی وجہ سے جب ہم انسان کی مادی حدود سے باہر نکلتے ہیں مثلاً خداوندِ عالم جو ہر لحاظ سے نامحدود ہے، اگر اس کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو ہم واضح طور پر دیکھتے ہیں کہ ہمارے الفاظ ان معانی کے لئے کما حقہ پورے نہیں اترتے، لیکن مجبوراً ان کو استعمال کرتے ہیں، کہ الفاظ کی یہی نارسائی قرآن مجید کی بہت سی متشابہ آیات کا سرچشمہ ہیں، [40] یا [41] یا [42] یہ آیات اس چیز کا نمونہ ہیں نیز ”سمیع“ اور ”بصیر“ جیسے الفاظ بھی اسی طرح ہیں کہ آیات محکمات پر رجوع کرنے سے ان الفاظ اور آیات متشابہات کے معنی بخوبی واضح اور روشن ہو جاتے ہیں۔

۲۔ بہت سے حقائق دوسرے عالم یا ماورائے طبیعت سے متعلق ہوتے ہیں جن کو ہم سمجھنے سے قاصر ہیں، چونکہ ہم زمان و مکان میں مقید ہیں لہذا ان کی گہرائی کو سمجھنے سے قاصر ہیں، اور ہمارے افکار کی نارسائی اور ان معانی کا بلند و بالا ہونا ان آیات کے تشابہ کا باعث ہے جیسا کہ قیامت وغیرہ سے متعلق بعض آیات موجود ہیں۔

یہ بالکل اسی طرح ہے کہ اگر کوئی شخص شکمِ مادر میں موجود بچہ کو اس دنیا کے مسائل کی تفصیل بتانا چاہے، تو بہت ہی اختصار اور مجمل طریقہ سے بیان کرنے ہوں گے کیونکہ اس میں صلاحیت اور استعداد نہیں ہے۔

۳۔ قرآن مجید میں متشابہ آیات کا ایک راز یہ ہو سکتا ہے کہ اس طرح کا کلام اس لئے پیش کیا گیا تاکہ لوگوں کی فکر و نظر میں اضافہ ہو ، اور یہ دقیق علمی اور پیچیدہ مسائل کی طرح ہیں تاکہ دانشوروں کے سامنے بیان کئے جائیوں ان کے افکار پختہ ہوں اور مسائل کی مزید تحقیق کریں ۔

۴۔ قرآن کریم میں متشابہ آیات کے سلسلہ میں ایک دوسرا نکتہ یہ ہے کہ جس کی تائید اہل بیت علیہم السلام کی احادیث سے بھی ہو تی ہے: قرآن مجید میں اس طرح کی آیات کا موجود ہونا انبیاء اور ائمہ علیہم السلام کی ضرورت کو واضح کرتا ہے تاکہ عوام الناس مشکل مسائل سمجھنے کے لئے ان حضرات کے پاس آئیں، اور ان کی رہبری و قیادت کو رسمی طور پر پہچانیں، اور ان کے تعلیم دئے ہوئے دوسرے احکام اور ان کی رہنمائی پر بھی عمل کریں ، اور یہ بالکل اس طرح ہے کہ تعلیمی کتابوں میں بعض مسائل کی وضاحت استاد کے اوپر چھوڑ دی جا تی ہے تاکہ شاگرد استاد سے تعلق ختم نہ کرے اور اس ضرورت کے تحت دوسری چیزوں میں استاد کے افکار سے الہام حاصل کرے ، خلاصہ یہ کہ قرآن کے سلسلہ میں پیغمبر اکرم (ص) کی مشہور وصیت کے مصداق پر عمل کریں کہ آنحضرت (ص) نے فرمایا:

”إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمْ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللَّهِ وَ أَهْلَ بَيْتِي وَ إِنَّهُمَا لَن يَفْتَرِقَا حَتَّى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضِ“۔

”یقیناً میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جارہا ہوں: ایک کتاب خدا اور دوسرے میرے اہل بیت، اور (دیکھو!) یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوگے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچ جائیں“ [43][44]

9۔ کیا بسم اللہ تمام سوروں کا جز ہے؟

اس مسئلہ میں شیعہ علما اور دانشوروں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ”بسم اللہ“ سورہ حمد اور بقیہ دوسرے سوروں کا جز ہے، اور قرآن مجید کے تمام سوروں کے شروع میں ”بسم اللہ“ کا ذکر ہونا خود اس بات پر محکم دلیل ہے، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ قرآن مجید میں کوئی چیز اضافہ نہیں ہوئی ہے، اور پیغمبر اکرم (ص) کے زمانہ سے آج تک ہر سورہ کے شروع میں بسم اللہ کا ذکر ہوتا رہا ہے۔

لیکن اہل سنت علمائے مشہور و معروف مؤلف صاحب تفسیر المنار نے اس سلسلہ میں مختلف علما کے اقوال نقل کئے ہیں:

علما کے درمیان یہ بحث ہے کہ کیا ہر سورے کے شروع میں بسم اللہ سورہ کا جز ہے یا نہیں؟ مکہ کے قدیم علما (فقہاء اور قاریان قرآن) منجملہ ابن کثیر اور اہل کوفہ سے عاصم اور کسائی قاریان قرآن، اور اہل مدینہ میں بعض صحابہ اور تابعین اور اسی طرح امام شافعی اپنی کتاب جدید میں اور ان کے پیروکار ، نیز ثوری اور احمد (بن حنبل) اپنے دو قول میں سے ایک قول میں ؛ اسی نظریہ کے قائل ہیں کہ بسم اللہ تمام سوروں کا جز ہے، اسی طرح شیعہ علما اور (ان کے قول کے مطابق) اصحاب میں (حضرت) علی ریال، ابن عباس، عبد اللہ بن عمر اور ابوہریرہ ، اور تابعین میں سے سعید بن جبیر، عطاء، زہری اور ابن المبارک نے بھی اسی عقیدہ کو قبول کیا ہے۔

اس کے بعد مزید بیان کرتے ہیں کہ ان کی سب سے اہم دلیل صحابہ اور ان کے بعد آنے والے حکمران کا اتفاق اور اجماع ہے کہ ان سب لوگوں نے سورہ توبہ کے علاوہ تمام سوروں کے شروع میں ”بسم اللہ“ کو ذکر کیا ہے،

جبکہ یہ سبھی حضرات اس بات پر تاکید کرتے تھے کہ جو چیز قرآن مجید کا جز نہیں ہے اس سے قرآن کو محفوظ رکھو، اور اسی وجہ سے ”آمین“ کو سورہ حمد کے آخر میں ذکر نہیں کیا ہے۔ اس کے بعد (امام) مالک اور ابو حنیفہ کے پیرو نیز دوسرے لوگوں سے نقل کیا ہے کہ وہ لوگ ”بسم اللہ“ کو ایک مستقل آیت مانتے تھے جو ہر سورے کے شروع میں سوروں کے درمیان فاصلہ کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے۔ اور احمد (بن حنبل) (اہل سنت کے مشہور و معروف فقیہ) اور بعض کوفی قاریوں سے نقل کرتے ہیں کہ وہ لوگ ”بسم اللہ“ کو صرف سورہ حمد کا جز مانتے تھے نہ کہ دوسرے سوروں کا، [45] (قارئین کرام!) مذکورہ اقوال سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اہل سنت کے علما کی اکثریت بھی اسی نظریہ کی قائل ہے کہ بسم اللہ سورہ کا جز ہے، ہم یہاں شیعہ اور سنی دونوں فریقوں کی کتابوں میں منقول روایات کو بیان کرتے ہیں (اور اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ ان تمام کا یہاں ذکر کرنا ہماری بحث سے خارج ہے، اور مکمل طور پر ایک فقہی بحث ہے)

۱۔ ”معاویہ بن عمار“ جو امام صادق علیہ السلام کے چاہنے والوں میں سے ہیں، کہتے ہیں کہ میں نے امام علیہ السلام سے سوال کیا کہ جب میں نماز پڑھنے کے لئے تیار ہو جاؤں تو کیا سورہ حمد کے شروع میں بسم اللہ پڑھوں؟ تو امام علیہ السلام نے فرمایا: ہاں، مینے پھر سوال کیا کہ جس وقت سورہ حمد تمام ہو جائے اور اس کے بعد دوسرا سورہ پڑھنا چاہوں تو کیا بسم اللہ کا پڑھنا ضروری ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں۔ [46]

۲۔ سنی عالم دین دار قطنی صحیح سند کے ساتھ حضرت علی علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ ”السبع المثانی“ سے مراد کیا ہے؟ تو امام علیہ السلام نے فرمایا: اس سے مراد سورہ حمد ہے، تو اس نے سوال کیا کہ سورہ حمد میں تو چھ آیتیں ہیں؟ تو امام علیہ السلام نے فرمایا: بسم اللہ الرحمن الرحیم بھی اس کی ایک آیت ہے۔ [47]

۳۔ اہل سنت کے مشہور و معروف عالم بیہقی، صحیح سند کے ساتھ ابن جبیر اور ابن عباس سے اس طرح نقل کرتے ہیں:

”استَرْقَ الشَّيْطَانُ مِنَ النَّاسِ، اَعْظَمَ آيَةً مِنَ الْقُرْآنِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ [48]

شیطان صفت لوگوں نے قرآن کریم کی سب سے بڑی آیت یعنی ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ کو چوری کر لیا ہے (اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سوروں کے شروع میں بسم اللہ نہیں پڑھتے)

اس کے علاوہ ہمیشہ مسلمانوں کی یہ سیرت رہی ہے کہ ہر سورے کو شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھتے ہیں اور تواتر کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) بھی ہر سورے کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھا کرتے تھے، اس صورت میں کیسے ممکن ہے کہ جو چیز قرآن کا حصہ نہ ہو خود پیغمبر اکرم (ص) اور آپ کی امت اسے قرآن کے ساتھ ہمیشہ پڑھا کریں؟!۔

لیکن جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بسم اللہ ایک مستقل آیت ہے اور قرآن کا جز ہے مگر سوروں کا جز نہیں ہے، یہ نظریہ بھی بہت ضعیف ہے، کیونکہ بسم اللہ کے معنی کچھ اس طرح کے ہیں جس سے معلوم

ہوتا ہے کہ کام کی ابتدا اور آغاز کے لئے ہے، نہ یہ کہ ایک مستقل اور الگ معنی، درحقیقت اس طرح کا شدید تعصب کہ اپنی بات پر اڑے رہیں اور کہیں کہ بسم اللہ ایک مستقل آیت ہے، جس کا ما قبل مبا لغہ سے کوئی ربط نہیں ہے، لیکن بسم اللہ کے معنی بلند آواز میں یہ اعلان کرتے ہیں کہ بعد میں شروع ہونے والی بحث کا سر آغاز ہے۔

صرف مخالفین کا ایک اعتراض قابل توجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے سوروں میں (سورہ حمد کے علاوہ) بسم اللہ کو ایک آیت شمار نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے بعد والی آیت کو پہلی آیت شمار کیا جاتا ہے۔ اس اعتراض کا جواب ”فخر الدین رازی“ نے اپنی تفسیر کبیر میں واضح کر دیا کہ کوئی ممانعت نہیں ہے کہ بسم اللہ صرف سورہ حمد میں ایک آیت شمار کی جائے اور قرآن کے دوسرے سوروں میں پہلی آیت کا ایک حصہ شمار کیا جائے، (اس لحاظ سے مثلاً سورہ کوثر میں ایک آیت شمار ہو۔

بہر حال یہ مسئلہ اتنا واضح اور روشن ہے کہ تاریخ نے لکھا ہے کہ معاویہ نے اپنی حکومت کے زمانہ میں ایک روز نماز جماعت میں بسم اللہ نہیں پڑھی، تو نماز کے فوراً بعد مہاجرین اور انصار نے مل کر فریاد بلند کی : ”اسرقت اُم نسیت“ (اے معاویہ! تو نے بسم اللہ کی چوری کی ہے یا بھول گیا ہے؟) [49][50]

[1] تفسیر آلاء الرحمن صفحہ ۳۵۔

[2] موصوف کی عربی عبارت یہ ہے: ”والشَّيْعةُ هم اُبدأ اُعداء المساجد ولهذا يقل اُن يشاهد الضارب في طول بلادهم و عرضها مسجداً (الصراع، جلد ۲، صفحہ ۲۳، علامہ امینی (رہ) کی نقل کے مطابق الغدير، جلد ۳، صفحہ ۳۰۰)

[3] تفسیر نمونہ، جلد ۱۱، صفحہ ۱۸۔

[4] مجمع البیان، جلد ۱۰، سورہ مدثر۔

[5] مقدمہ سازمانہای تمدن امپراطوری اسلام۔

[6] مقدمہ سازمانہای تمدن امپراطوری اسلام، صفحہ ۱۱۱۔

[7] مقدمہ سازمانہای تمدن امپراطوری اسلام، صفحہ ۹۱۔

[8] کتاب ”عذر تقصیر بہ پیش گاہ محمد و قرآن“

[9] المعجزة الخالده، بنا بر نقل از قرآن بر فراز اعصار۔

[10] پیش رفت سریع اسلام، اعجاز قرآن کے سلسلہ میں مذکورہ بحث میں ”قرآن و آخرین پیامبر“ سے استفادہ کیا گیا ہے۔

[11] تفسیر نمونہ، جلد ۱، صفحہ ۱۳۵۔

[12] قرآن و آخرین پیغمبر صفحہ ۳۰۹۔

[13] تفسیر نمونہ، جلد ۲، صفحہ ۲۸۔

[14] تفسیر نمونہ، جلد ۹، صفحہ ۴۲۔

[15] تفسیر فی ضلال، جلد ۵، صفحہ ۲۸۲۔

[16] تفسیر نمونہ، جلد ۱۱، صفحہ ۴۱۰۔

[17] تفسیر فی ضلال، جلد ۴، صفحہ ۴۲۲۔

[18] تفسیر نمونہ، جلد ۸، صفحہ ۲۸۹۔

[19] سورہ بقرہ ، آیت ۲۳۔

[20] اعجاز القرآن رافعی۔

[21] قرآن و آخرین پیغمبر ۔

[22] تفسیر نمونہ ، جلد ۱، صفحہ ۱۳۳۔

[23] سورہ ہود ، آیت ۱۔

[24] سورہ نمل ، آیت ۱۔

[25] سورہ لقمان ، آیت ۱۰۲۔

[26] سورہ اعراف ، آیت ۲۰۱۔

[27] تفسیر نمونہ ، جلد اول، صفحہ ۶۱۔

[28] تفسیر نمونہ ، جلد ۱، صفحہ ۷۸۔

[29] تفسیر مجمع البیان ، سورہ طہ کی پہلی آیت کے ذیل میں۔

[30] تفسیر نمونہ ، جلد ۱۳، صفحہ ۱۵۷۔

[31] تفسیر المیزان ، جلد ۱۸، صفحہ ۶۵۔

[32] تفسیر نمونہ ، جلد ۲۰، صفحہ ۳۲۶۔

[33] تاریخ القرآن ، ابو عبداللہ زنجانی صفحہ ۲۴۔

[34] مجمع البیان ، جلد اول، صفحہ ۱۵۔

[35] منتخب کنز العمال ، جلد ۲، صفحہ ۵۲۔

[36] صحیح بخاری ، جلد ۶، صفحہ ۱۰۲۔

[37] تفسیر نمونہ ، جلد اول، صفحہ ۸۔

[38] سورہ آل عمران ، آیت ۷۔

[39] تفسیر نمونہ ، جلد ۲، صفحہ ۳۲۰۔

[40] سورہ فتح ۱۰۔

[41] سورہ طہ ۵۔

[42] سورہ قیامت ۲۳۔

[43] مستدرک حاکم ، جلد ۳، صفحہ ۱۴۸۔

[44] تفسیر نمونہ ، جلد ۲، صفحہ ۳۲۲۔

[45] تفسیر المنار ، جلد ۱ صفحہ ۳۹-۴۰۔

[46] اصول کافی ، جلد ۳، صفحہ ۳۱۲۔

[47] الاتقان ، جلد اول، صفحہ ۱۳۶۔

[48] بیہقی ، جلد ۲، صفحہ ۵۰۔

[49] بیہقی نے جزء دوم کے صفحہ ۴۹ پر اور حاکم نے بھی مستدرک میں جزء اول کے صفحہ ۲۳۳ پر اس حدیث

کو نقل کیا ہے اور اس حدیث کو صحیح جانا ہے۔

[50] تفسیر نمونہ ، جلد اول، صفحہ ۱۷